دونوں صورتیں عدل کے منافی ہیں ــــ کھانے پینے میں زیادتی کی دونوں صورتیں ہیں اسراف کرنا اور بخل کرنا ــــ دونوں صورتیں عدل کے خلاف ہیں۔

شاہ عبدالقادر نے اس آیت میں شانِ نزول کی رعایت کرکے طغیان کی ایک صورت کو متعین کیا۔

حاشیہ پر لکھتے ہیں :

" زیادتی نہ کرو یعنی رکھ نہ چھوڑو "

اوپر سے بنی اسرائیل کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ لوگ دولت کو جمع کرکے رکھنے [illegible]ت اور ضرورت پر خرچ کرنا ان کی عادت کے خلاف تھا۔ اس سیاق و سباق کی وجہ سے شاہ صاحب نے ایک صورت کو متعین کیا۔ لیکن قرآن کریم ہر قسم کی بے اعتدالی کو مذموم قرار دے رہا ہے۔ جو اصحاب ثروت اپنی دولت کو ــــ جو حقیقت میں ان کے پاس امانت ہے۔ خدا کی راہ میں ضرورت کے مطابق صرف نہیں کرتے اور صرف واجبی انفاق زکوٰۃ ــــ کو کافی سمجھتے ہیں وہ سرکشی کے مرتکب ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضؓ نے ـــ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ : ۲۱۹) میں عفو کا مطلب زائد از ضرورت قرار دیا ہے۔

دولت مندوں کی یہ سرکشی یا اس لیے رونما ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمائی کو اپنے ذاتی تعیشات پر صرف کرکے برباد کر دیتے ہیں یا اس لیے رونما ہوتی ہے کہ وہ مال و دولت کو کنز کرنے اور جمع کرکے رکھنے کے شوقین ہوتے ہیں، نہ اپنی اور اہل و عیال کی جائز ضرورتوں میں خرچ کرتے ہیں اور نہ ان کی دولت قومی مفاد میں کام آتی ہے۔

قرآن کریم نے سب سے بڑا سرکش اُس حاکم و حکمران کو قرار دیا ہے جو اسلام کے قانونِ عدل کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے مطابق فیصلے صادر کرے اور اس کے لیے قرآن نے طاغوت کا لقب اختیار کیا ہے۔

طاغوت طغیان سے مبالغہ کا صیغہ ہے جو عادل کی ضد ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ (النساء : ۶۰)

© rasailojaraid.com

یہ لوگ طاغوت کے پاس اپنے جھگڑے اور فیصلے لے جاتے ہیں۔

طاغوت کے مبالغہ کا جو جامع اور وسیع مفہوم ہے اسے اُردو زبان کا کوئی ایک لفظ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے ایک آیت میں اس کا ترجمہ ہُڑدنگے کیا ہے۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں ہُڑدنگا، مفسد، شرارتی، بدتمیز، خبطی اور بدحواس انسان کو کہتے تھے۔ (فرہنگ آصفیہ) شاہ صاحب نے اس وسیع المعانی لفظ سے اس کا مفہوم ادا کیا۔

ارباب تراجم نے اس کے مرادی معنی یہ بت، باطل معبود اور شیطان و سرکش کے الفاظ لکھے ہیں۔

(بقیہ: الٓـمّ)

دیا جاسکتا ہے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے اے نبیؐ! ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپؐ کو اس سے اذیت پہنچتی ہے آپ کا سینہ مبارک اس سے کچھ بھنچتا ہے جو مخالفت یہ کر رہے ہیں اور جو طرح طرح کی باتیں یہ بنا رہے ہیں لیکن آپؐ ان کی پرواہ نہ کیجیے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔

آپ اپنے رب کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں اسکے سامنے سربسجود رہا کریں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

اور اپنے رب کی عبادت میں سرگرم رہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس آپؐ کے رب کا بلاوا یعنی موت کا پیغام آ پہنچے۔ یہ ہدایات نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہیں بلکہ آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے وہ تمام اُمتی جو دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیں، ان کے لیے بھی یہ ابدی ہدایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور ان ہدایات سے نفع حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم

ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم سے صحیح نتائج کیسے حاصل ہونگے؟

زوالِ تعلیم کا رونا رونے والے توجہ فرمائیں

چند دردمندانہ تجاویز

© rasailojaraid.com

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

انسانی اور اسلامی نقطۂ نظر سے علم و تعلیم کی اہمیت ایک مسلّم امر ہے۔ اللہ رب العزت نے نسلِ انسانی کے جد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا، زندگی بخشی اور پھر سب سے پہلے انہیں "علم" کی دولت بے کراں سے سرفراز فرمایا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ (البقرہ ۳۱) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے بلکہ آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان کے لئے پہلے معلّم خود حضرت حق تھے (جل وعلا مجدہ) حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کو جانچا جائے تو انہیں جو امتیازی خوبیاں نظر آتی ہیں ان میں علم و تعلیم سب سے بڑھ کر ہیں کیونکہ وہ دنیا میں حق کا راستہ دکھانے اور مالکِ حقیقی کی شناخت کرانے کو ہی آتے تھے، اس لئے لازم تھا کہ وہ اس چیز میں ممتاز ہوتے جو اس کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، مشہور بات ہے بے علم نتواں خدا را شناخت۔

بالخصوص جب حضرت نبی کریم علیہ السلام کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان کے لئے دعا مانگی سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تو اس میں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ ۱۲۹) کی درخواست کی اور اللہ تعالیٰ نے انہی خوبیوں کے ساتھ ممتاز و متصف کرکے انہیں دنیا میں بھیجا جیسا کہ آل عمران ۱۶۴ اور الجمعہ ۲ میں موجود ہے۔ اُن پر جو کتاب مقدس نازل ہوئی

© rasailojaraid.com

اس میں علم اور اہلِ علم کی تعریف و توصیف میں بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں، اہلِ ذوق الزمر، المجادلہ اور السباء کو ملاحظہ فرمالیں۔

نبی کریم کی حیاتِ مبارکہ میں تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں جو انہماک اور جدوجہد نظر آتی ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے دارِ ارقم سے لے کر صفہ تک کی درسگاہیں کافی ہیں جو براہِ راست نبی کریم علیہ السلام کی نگرانی و سرپرستی میں چل رہی تھیں۔ معلّمِ کتاب و حکمت نے علمی طور پر جو اسپرٹ اپنے نام لیواؤں میں پیدا کی اس کی داستان بے حد طویل ہے اور نہ صرف خلافتِ راشدہ بلکہ بعد کے ہر دور میں سلاطینِ اسلام [illegible] علماء کی کاوشیں اس پورے دور میں اپنا ایک مقام رکھتی تھیں تو اہلِ ثروت کا ذوقِ علم پروری اور غرباء کی معارف پروری کا اپنا ایک انداز ہے اسلام اور مسلمانوں کا کوئی بدترین دشمن یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں نے کسی دور میں اس انتہائی اہم اور ضروری شعبہ سے بے اعتنائی برتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جب مسلمان قوم سیاسی طور پر زوال و ادبار کا شکار ہو گئی تب بھی اس نے انتہائی ایثار و ہمت کر کے علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا، بالخصوص برِ عظیم ہند و پاک کی اس گذشتہ دو سو سالہ تاریخ کو دیکھیں تو آپ کو یہ اندازہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ اس ستم رسیدہ قوم نے دنیا بھر کے ظلم برداشت کرنے کے باوجود کس طرح علم پروری و معارف پروری کا فریضہ سرانجام دیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس نوع کے مدارس نے جس طرح مسلمانوں کے علمی ورثہ کو سنبھالا اور اسکی نگہداشت کی اور اس طرح کہ کوئی حکومت ان کی پشت پر نہ تھی بلکہ بعض متوسط اور غریب مسلمان ہی ان کے مالی معاون تھے، ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب ایک عرصہ سے مسلمان قوم کے علمی طور پر بھی زوال کا رونا شروع ہو چکا ہے اور خاص طور پر ہمارے یہاں سربراہِ مملکت سے لے کر عمائدینِ سلطنت تک اساتذہ سے لیکر طلبہ تک اور والدین سے لے کر ایک عام فرد تک سب ہی اس قسم کی تشویش کا شکار ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے یہاں نئی نئی درسگاہوں کا جال بچھ گیا ہے، نہایت درجہ مستحکم اور مضبوط عمارات طول طویل رقبہ تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں لیکن نتائج کی تصویر اچھی خاصی المناک ہے، قومی اخبارات کے کالم آئے

© rasailojaraid.com

وہ ایسے مضامین شائع کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تعلیمی سانچہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا ہے ۔ ہم نے مختلف اجتماعاتِ علمی میں خود اساتذہ کی زبان سے ایسی باتیں سنیں جو ایک باوقار قوم کے کردار کے قطعاً منافی ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ آزادی سے محرومی کے طویل عرصہ میں غیر ملکی حکمرانوں نے جس طرح کا تعلیمی نظام مرتب کیا اس نے سرکاری مشینری کے لئے اچھے کل پرزے تو تیار کئے ایسے افراد نہیں جو "ملت کے مقدر کا ستارہ" ہوتے ہیں ، ملک کے حالات کی زبوں حالی اس وقت پیش نظر ہے نہ اس پر گفتگو کا یہ موقعہ ہے لیکن اتنی بات کہے بغیر چارہ نہیں کہ ہماری حیاتِ اجتماعی کا نظام جو درہم برہم ہوا ہے اور اس میں بری طرح دراڑیں پڑی ہیں تو اس کی ذمہ داری ۔ جی ہاں بنیادی ذمہ داری اس نظام تعلیم پر عائد ہوتی ہے ، ہم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ مشرقی پاکستان میں ہندو اساتذہ نے ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو مسخ کیا اور وہ ان راہوں پر چل نکلے جن کا انجام "بنگلہ دیش" کی شکل میں سامنے آیا لیکن یہ بھی تو واقعہ ہے کہ ۱۹۷۱ء کے بعد بھی تو ہم نے اس نظام کی اصلاح نہیں کی ۔ جب ہم مسلمان ہیں اور پاکستان کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ اسلام کے نام پر بنا اور قائم ہوا تو دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کی درسگاہوں میں کیا پڑھایا جا رہا ہے اور ان کا ماحول کیسا ہے ؟

ہمارے اہلِ دانش و فکر تسلیم کریں گے کہ ہماری درسگاہوں کا ماحول اس معیارِ مطلوبہ پر پورا نہیں اترتا جس کا ہم سے ہمارا دین تقاضا کرتا ہے اس لئے آنے والی سطور میں درسگاہوں کے ماحول کو معیاری اسلامی کردار میں ڈھالنے کے لئے گفتگو کی جا رہی ہے تاکہ ہم اس پریشان کن ماحول سے نکل سکیں اور ایک زندہ باوقار قوم کے طور پر ابھر سکیں ۔

اہل فکر اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ کوئی بھی کام ہو اس میں کامیابی کے لئے تین باتیں بنیادی طور پر ضروری ہیں ، اگر وہ تین باتیں نہ ہوں اور ان کا اہتمام نہ کیا جائے تو نتائج کبھی بھی بہتر شکل میں سامنے نہ آئیں گے اور ساری محنت اکارت و رائیگاں جائے گی ۔

وہ تین امور جو صحیح نتائج کے حصول کے لئے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سب سے پہلا امر تو "تعین مقصد" ہے ، مقصد کا تعین نہ ہوگا تو انسان کا پہلا قدم ہی غلط رخ

© rasailojaraid.com

پر جا پڑے گا، دوسری چیز اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح راستے کا انتخاب ہے اور تیسری چیز اس کے لئے انتھک کام، محنت اور مسلسل جدوجہد ہے اتنی جدوجہد کہ آدمی کو اس راہ کا مجنون کہا جانے لگے اور وہ بلا خوف لومۃ لائم اپنے جملہ وسائل اس کے لئے خرچ کر ڈالے۔

جب یہ بات طے ہے کہ تعین مقصد کے بغیر کامیابی موہوم ہوتی ہے اور صحیح رستے کا انتخاب کئے بغیر آدمی بھٹک کر رہ جاتا ہے اور کما حقہ محنت کے بغیر بھی بات نہیں بنتی تو علم و تعلیم جیسی اہم حقیقت جس پر ایک مسلمان کی آخرت ہی نہیں، اسکی دُنیا کی بھی فلاح کا دارومدار ہے، اس میں ان تین چیزوں کا اہتمام کس قدر ضروری ہوگا؟ جب ہم یہ طے کر لیں کہ معاملہ مقصد کا تعین ضروری ہے تو اسکی دلیل خود قرآن مجید سے سامنے آتی ہے مثلاً انسانی تخلیق کا معاملہ ہے تو دیکھنا ہوگا کہ انسان کو کیوں پیدا کیا گیا؟ کیا اس کی تخلیق محض ایک عبث کام ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، اللہ تعالےٰ نے تو کوئی بھی چیز عبث پیدا نہیں کی (آل عمران) پھر انسان جسے قرآن مجید میں اشرف المخلوقات۔ (بنی اسرائیل ۔۷) بتایا گیا وہ کیونکر بیکار پیدا ہوسکتا ہے؟ اسکی تخلیق کا مقصد اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات) فرمایا گیا، اور اسی طرف ابتدائی سورۃ ام الکتاب ”الفاتحہ“ میں بھی اشارہ ہے ”اِیَّاکَ نَعْبُدُ“ یہ مقصد کیسے حاصل ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ہندو ہو کہ پارسی، یہودی ہو کہ عیسائی سب کی تگ و دو اسی غرض سے ہے آخر وہ جو گرجے، مندر اور اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جاتے ہیں تو بھاڑ جھونکنے کو نہیں، ان کے سامنے بھی یہی مقصد ہے لیکن وہ راستہ کے انتخاب میں بھٹک گئے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ میں اسی طرف اشارہ ہے اور صحیح راستے کے انتخاب کی اہمیت پر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے استدلال کیا جاتا ہے پھر معاملہ رہ جاتا ہے مسلسل لگن اور محنت کا تو اس کے لئے سورۂ عنکبوت کی آیت ٦٩ ملاحظہ فرمالیں جس میں راستہ ملنے کی نوید اُنہیں سنائی گئی جو ”جہدِ مسلسل“ سے کام لیتے ہیں۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب ”تعلیم“ کے متعلق سوچیں کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ تو مقصد معلومات میں اضافہ ہے، کثرت مطالعہ ہے، ڈھیروں کتابیں لکھنا اور پڑھنا ہیں

© rasailojaraid.com

تو کوئی بھی عقلمند آدمی اسے "مقصدِ صحیح" کا نام نہیں دے سکتا بلکہ ایسے لوگوں کیلئے گدھا ہو پائے برو کتابے چند کی کہاوت و ضرب المثل مشہور ہے جو فی الحقیقت ترجمہ ہے سُورۂ جمعہ کی آیت کا جس میں علماءِ یہود کا تذکرہ ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن نے "علماء یہود" کا ذکر محض انہیں لتاڑنے کو نہیں کیا بلکہ "ایک کردار" کے طور پر ان کا ذکر ہوا، اب جو بھی اس کردار کا حامل ہوگا، دعویٰ کی حد تک وہ کیسا ہی ہو، اس پر بھی یہی ضرب المثل صادق آئے گی ہمارے خیال میں سورۂ فاطر کی آیت جس میں یہ ذکر ہوا کہ "اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق اہل علم ہی ادا کرتے ہیں" اس سے مقصدِ علم و تعلیم کی آسانی سے وضاحت ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ "انسان اخلاق و کردار کے اعتبار سے ایسا ہو جائے کہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے، اس کے "اندر کا انسان" اور اسکے رُوح و قلب اس طرح نکھر اور سنور جائیں کہ اس کے آن سے فرشتے وضو کرتے نظر آئیں وہ بن سنور کر اور علم سے آراستہ ہو کر واقعی خلافتِ ارضی کا مستحق ہو جائے — آپ تخلیقِ آدم میں مضمر حکمت کو معلوم کرنے کی غرض سے فرشتوں کے سوال اور اس پر اللہ تعالیٰ کے عملی جواب کہ آدم کو علم سے آراستہ کر دیا۔ — پر غور کریں تو ہمارے اس دعویٰ کی آپ کو تصدیق کرنا پڑے گی اور اعتراف کرنا پڑیگا کہ "انسان کی انسانیت" کا نکھارنا ہی دراصل علم کا مقصدِ صحیح ہے۔

لیکن ہم ذرا اپنی خیانتِ اجتماعی کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ ہم نے "دینی درسگاہوں سے لیکر دنیوی درسگاہوں تک" (اس دوہرے پن پر بھی کسی وقت گفتگو ہوگی) کا جو جال پھیلا رکھا ہے، اس میں کتنے لوگ ہیں جو اس کاوش کے سلسلہ میں "صحیح مقصد" سے واقف و آگاہ ہیں، معدودے چند افراد کو چھوڑ کر اس ساری علم پروری و معارف پروری اور پڑھنے پڑھانے کے شغل میں مشغول لوگ یہ بات سامنے رکھتے ہیں کہ اس محدود زندگی میں ہمیں خوب خوب آسائشیں نصیب ہو جائے اچھی ملازمت مل جائے بڑا منصب نصیب ہو جائے گویا آزادی کے بعد بھی ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر اس گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں جس کا اہتمام غیر ملکی آقاؤں نے اپنی مصلحتوں کے تحت کیا تھا — اہل علم و دانش "لارڈ میکالے" کے نام سے یقیناً واقف ہونگے جس نے ۱۸۳۵ء میں ایک عدد نئی تعلیمی پالیسی کا نقشہ مرتب کیا تھا اور اس کی غرض

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

یہ بتلانا تھی کہ ہمیں اپنی مشینری کے لئے کل پرزوں کی ضرورت ہے اور "تعلیمی انڈسٹری" میں ہم نے انہیں ہی ڈھالنا ہے۔ اس نے کہا تھا اور اپنے ہم وطنوں کو یہ باور کرایا تھا کہ تم دیکھنا اس انڈسٹری سے جو ڈھل کر نکلے گا اس کا نام مسلمان ہندو جیسا ہو تو ہو لیے اس کے ذہن و فکر کا معاملہ ہم جیسا ہوگا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ لارڈ میکالے نے "تعلیمی پالیسی" وضع کی اس کا یہ مقصد بتلایا اور پھر یہ بھی افسوسناک حقیقت ہے کہ بالعموم ایسا ہی ہوا۔ حتیٰ کہ آج آزادی کے ۳۷ برس بعد بھی کچھ ہو رہا ہے ورنہ "نظریہ پاکستان" کا ہنگامہ بھی ہوتے "اسلامائزیشن" کا شور بھی ہوا اور پھر بھی رشوت سفارش، جاہ طلبی، خود غرضی جیسے امراض ہوں۔ سمجھ میں آنے والی بات نہیں معلوم ہوا کہ ہم نے ابھی تک "تعلیم" کو انڈسٹری کا درجہ دے رکھا ہے اسے "مقدس فرض" کا درجہ نہیں دیا۔ اگر اسے مقدس فرض کا درجہ دیا ہوتا تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی، ہمیں اپنے غریب، ان پڑھ اور سادہ لوح عوام سے کیا گلہ ہمارا سیاست دان روایتی عالم، مولوی، اہل صنعت و تجارت، اہل نظم و عدالت وہ تو "پڑھا لکھا" شمار ہوتا ہے لیکن للہ کوئی اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کر ہمیں بتائے کہ ان کا طرز عمل، ان کا اجتماعی کردار، اعلیٰ انسانی اور اسلامی روایات کے مطابق ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سمجھ لیں کہ ہم تعلیم کے میدان میں بھی ابھی تک اپنا قبلہ درست نہیں کر پائے۔

اس مرحلہ پر اس غلط انداز فکر کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے جس کا ہم سبھی شکار ہیں، اور وہ یہ کہ ہمارے حیات اجتماعی کی اصلاح وغیرہ کے عنوان سے آئے دن جو شور اٹھتا ہے تو اس میں ہمارا حال اس "کم عقل معمار" کا ہو کر رہ جاتا ہے جس نے عمارت کی بنیاد تو ٹیڑھی میڑھی بنائی لیکن اوپر پہنچ کر وہ مینا کاری اور رنگ و روغن کی فکر میں دبلا ہو کر رہ جاتا ہے، گویا اسے ٹیڑھے پن کی فکر نہیں اور تمام تر توجہ شاخوں پر دے رکھی ہے اصلاح کا شور اٹھا ایک عدد نیا کمیشن ادارہ اور بورڈ معرض وجود میں آگیا، پہلے سے قوم کی تقدیر سے کھیلنے والے چند دانشور، اس کے ممبر بن گئے، ان کے بھتے میں اضافہ ہوگیا یا "تھنک ٹینک" کے طور پر چند ایسے بوڑھے شامل محفل کر لئے گئے جن کے قویٰ جواب دے چکے ہوتے!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اس پر لاکھوں کا سرمایہ لٹ گیا اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ۔

اسکی مثالوں پر آئیں تو ان کا سلسلہ زلف یار کی طرح دراز ہوجائیگا ۔ اس لئے تفصیل سے قطع نظر صرف ایک زبان ہی کا مسئلہ لیں جس کا زندہ قوموں کے یہاں بڑا اہتمام ہوتا ہے ۔ انگریز کی زبان بدل پالیسی کو سامنے رکھیں اور سوچیں کہ وہ کس طرح ہمارے ادبار سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا اور پھر اپنی حالت زار کو دیکھیں کہ روز نئے نئے ادارے قائم کرنے کے باوصف "زبان اُردو" کا کیا حال ہے ؟ وہ آج تک ہمارے معاشرہ میں اپنا خاطر خواہ مقام کیوں حاصل نہیں کر سکی ۔ یہ انداز فکر کی غلطی کا ہی شاخسانہ ہے کیونکہ جس انداز سے ہم نئے بورڈ اور ادارے ترتیب دیتے ہیں ان کا لامحالہ یہی نتیجہ نکلنا ہوتا ہے ۔

یہ بھی دیکھیں کہ "اسلامائزیشن" کا عمل ماشاءاللہ خوب چل رہا ہے ۔ لیکن نتیجہ کوئی سامنے نہیں آرہا کیوں ؟ ــــ ہم نے عرض کیا اصل ضرورت "مقصد کے تعین" کی ہے انگریز بہادر نے اسلام جیسے مکمل نظام حیات کو محض ہماری نجی زندگی کا عمل بتلایا ۔ لارڈ میکالے نے جو کھیپ تیار کی اس نے اسکی ہاں میں ہاں ملائی اور جس نے یہ کہا کہ اس سے پوری زندگی میں استفادہ کرو اسے احمق دقیانوس اور نہ معلوم کیا کیا کہا گیا ۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی اور ہے کہ ہر بچہ کی تعلیم کی جب ابتدا ہو تو اسطرح کہ وہ ان بنیادی حقائق سے آگاہ ہو جائے جو ایک مسلمان کی ضرورت ہے ۔ اگر مساجد میں مکتب سکیم کے تحت ہر بچہ کی پرائمری سطح تک تعلیم لازم ہو جائے اور اساتذہ ایسے ہوں جو اسلامی اخلاق و کردار کا نمونہ ہوں تو اس کے بعد کوئی فلسفہ میں ایم ۔ اے کر جائے یا ریاضی میں ، یا انگلش لٹریچر میں اس کا کچھ نہ بگڑے گا ، لیکن جب پرائمری تعلیم الف انار با بکری سے شروع ہو اور اس معصوم عمر میں حسن تربیت کے بجائے بوجھل بستہ طالب علم کا مقدر بن جائے اور بعض شکلوں میں اسے ملحد ، دھریہ اور عیسائی اساتذہ سے واسطہ پڑے تو وہ ایم اے فلسفہ ہونے سے قبل ہی اسلام سے اپنا تعلق عقیدت توڑ چکا ہو گا ۔

افلاطون سے ڈیکارٹ تک کا دور ہمارے یہاں "تاریک دور" شمار ہوتا ہے اس خرابی کا ازالہ آج تک نہیں کیا گیا ۔ یہ دور تاریک ہوگا تو یورپ کے لئے ہوگا ۔

© rasailojaraid.com

ورنہ ہمارے ارباب فکر و دانش تو اس وقت آدھی دنیا کو علم سے روشن کر چکے تھے لیکن جس بچہ کی تعلیم الف انار سے شروع ہوتی ہے۔ اس کو آخری لمحہ میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ آج فلسفہ و سائنس کے سبب جو روشنی نظر آ رہی ہے وہ یورپ کا صدقہ ہے، یورپ کے دانشور نہ ہوتے تو ہم اندھیرے میں ہوتے، آخر اس نصاب میں مسلم سائنس دانوں، فلاسفہ اور مناطقہ کی کارگزاریاں کیوں نہیں پڑھائی جاتیں اور کیوں ان کے اندر یہ لگن نہیں پیدا کی جاتی کہ وہ اپنے جلیل المرتبت اسلاف کی روحوں کو اس طرح خوش کریں کہ ان کی مضبوط بنیادوں پر تعمیر [illegible] ہے کہ دینی مدارس تک میں اس کا اہتمام نہیں نصف نصاب منطق و فلسفہ کی نذر ہو جانے کے باوجود "فضلائے و فارغین" کو اپنے روشن ماضی کا پتہ نہیں ہوتا اور جب روشن ماضی کا ہی پتہ نہیں تو سنہری مستقبل کی کون فکر کرے گا؟

سائنس کا معاملہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو سب ہی تسلیم کر رہے ہیں کہ اس کی موجودہ ترقی مرہون منت ہے ان تحقیقات کی جنکی بنیاد مشاہدہ و تجربہ پر ہے نہ کہ ظن و قیاس پر، لیکن ستم یہ ہے کہ موجودہ درسگاہوں میں مسلم طلبہ کی اس طرح برین واشنگ کی جاتی ہے کہ ان کے ذہن میں یہ بیٹھ جائے کہ بس جی مغربی سائنس دانوں نے یہ سارے مرحلے سر کئے ہیں حالانکہ خالد بن یزید سے لے کر جابر بن حیان تک مسلم سائنس دانوں نے ہی اس طریق واستدلال کا اہتمام کیا اور انہی کے اصول کے پیش نظر آج یہ حقائق کھل رہے ہیں علم معاش کو دیکھیں تو اشتراکیت اور کیپٹلزم ہی تک ہماری معلومات محدود رہتی ہیں اور ہمارے ذہنوں میں یہ بات پیوست ہو جاتی ہے کہ بس نظام تو یہی دونوں ہیں، اسلام کی بات آتی ہے تو جھٹ سے کہہ دیا جاتا ہے کہ اجی چھوڑیں اسلام نماز روزہ سکھلانے آیا ہے قوم کے معاشی مسائل حل کرنے تھوڑا آیا ہے، ظاہر ہے کہ اس فکر کے پیچھے وہی نظریہ کام کر رہا ہے جس میں اسلام کو انسانی زندگی کے پرائیویٹ معاملات کا مذہب ثابت کر کے اسے حیات اجتماعی سے الگ رکھنے کی سازش کی گئی ہے سیاسیات میں کتنے اسلامی مفکرین [illegible] کے کارناموں سے طلبہ کو آگاہ کیا جاتا ہے یونان کی جمہوریتوں سے لیکر

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جدید یورپ کی جمہوریت تک سبھی کچھ کا ہمارے نوجوانانِ عزیز کو علم ہوگا اور نہیں ہوگا تو مسلم مفکرین اور اہلِ سیاست کے نظریات کا، جنہوں نے خالی فلسفہ ہی نہیں گھڑا عمل کر کے عادلانہ معاشرہ قائم کیا اور تمیزِ بندہ و آقا کو یکسر ختم کر کے ایسی صورت پیدا کر دی کہ صرف مسجد کی صف میں ہی محمود و ایاز اکٹھے نظر نہیں آتے بلکہ دسترخوان سے لیکر عدالت تک میں یہی شکل ہوتی ہے عمرانیات کے موجدِ اول ابنِ خلدون تھے اس کا اعتراف یورپ بھی کرتا ہے اور پھر آئندہ چل کر شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریات نے ایک دنیا کو متاثر کیا لیکن اپنے نصاب میں تلاش کریں کہ ان لوگوں کا کہیں ذکر ہوا، ہوگا بھی تو اس طرح جیسے چوتھی صف کے یہ لوگ تھے اور پہلی صف کے وہ جو یورپ میں پیدا ہوئے۔

© rasailojaraid.com

معاشیات ہی میں یہ اہتمام تو ہوتا ہے کہ سود مفرد اور سود مرکب کے مسائل طلبہ کو معلوم ہو جائیں لیکن زکوٰۃ و عشر، میراث، خراج، فئے وغیرہ میں سے بعض چیزوں کے تو انہیں نام ہی معلوم نہیں ہوتے حالانکہ اسلامی معاشیات میں مداتِ آمدن تفصیل سے سامنے آئیں تو یہی طلبہ آئندہ چل کر غیر فطری نظام کے خلاف سرگرمِ عمل ہو جائیں لیکن چونکہ ہمیں اسلامی بینکاری کے باوجود ظالمانہ ٹیکسز قائم رکھنے ہیں اسلئے ہم ایسی باتوں کی طرف نہیں آتے جن سے طلبہ کے ذہنوں میں رغبت پیدا ہو۔ علم جغرافیہ میں ہم شہر اور ملک کی نہروں اور دریاؤں، ریلوے لائنوں اور پکی سڑکوں کا تو ذکر کر دیں گے لیکن اس علم کے ایک اہم حصہ کے طور پر مسلم طلبہ کو نماز کے اوقات، سمتِ قبلہ وغیرہ معلوم کرنے کے طریق نہیں بتلائیں گے۔ مبادا اس عمر میں انہیں ان چیزوں کی اہمیت کا احساس ہو جائے اور ان کا دل مسلمان ہو جائے۔

ہم نے کوتاہیوں کے باب میں مثالوں سے بچنے کے باوجود کئی مثالیں دیدیں اور دے کیا دیں بے ساختہ نوکِ قلم پر آگئیں — حالانکہ اس وقت ایسا کرنے کا خیال نہ تھا اصل جو کہنا تھا وہ اصلاحی تدابیر تھیں یا تجاویز جن کا تعلق نصاب، اساتذہ، طلبہ اور درسگاہوں سے ہے، شاید کسی سلیم الطبع اور نیک فطرت کے قلب و نظر کو اس سے کچھ درشتی حاصل ہو جائے اور کوئی اصلاح کے عمل کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔

نصاب، اس ضمن میں سب سے پہلے سامنے آتا ہے، ضروری ہے کہ نصاب

© rasailojaraid.com

اس طرح وضع کیا جائے جس کے نتیجہ میں مقصد تعلیم مزید ابھر اور نکھر کر سامنے آئے اور علم الیقین سے بڑھ کر طلبہ کو یقین ہو جائے کہ اس سے مراد محض حصول زر، ملازمت اور معاش نہیں بلکہ انسان کی ذات کی تکمیل ہے ۔ نصاب ہلکا پھلکا ہو جس سے استعداد فن پیدا ہو نہ کہ بوجھل اور یہ بات بے حد اہم ہے کہ ایم اے اسلامیات ہی کافی نہیں بلکہ ایسا ایک سازش کے تحت ہوا ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں، ہر سبجیکٹ اور مضمون کا نصاب اس طرح مرتب ہو کہ اس کا فاضل مخصوص مضمون میں طاق ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامیات کا بھی ماہر ہو اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ نصاب کا ہر جزو اسلامی تعلیمات اور مفکرین اسلام کے نظریات کا حامل ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مصنف و مؤلف کی طبیعت، اس کے رجحانات و افکار کا شعوری نہ سہی غیر شعوری طور پر طلبہ پر اثر ہوتا ہے، فلہذا مسلم مفکرین کی آراء ان کے مشاہدات و تجربات اور ان کی تحریرات کو اولیت دی جائے اور دشمن کی شہادت کے طور پر غیر مسلم مفکرین کی آراء تا ئید اً پیش ہوں تاکہ ایک تو اس طرح معصوم ذہن اسلامی روایات اور مسلم مفکرین کی معارف پروری سے واقف ہو سکے۔ تو دوسری طرف اسے اپنے اور بیگانے کی تمیز بھی رہے دشمن کے معاملہ میں مروت و وسعت نظری اپنی جگہ لیکن اسے دشمن سمجھنا تو ضروری ہے ۔۔ اس موقعہ پر اس بات کا اظہار کر دوں کہ شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے سربراہ اور بانی صدر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور خلیفہ عبدالحکیم اپنی تمام تر وسعت ظرفی کے باوصف جب کسی مستشرق اور پادری سے گفتگو کرتے حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم انسان، فولادی بن کر رہ جاتا اور یہ غیرت ملی کا تقاضا ہے ۔

نصاب کی اصلاح کے لئے لازم ہے کہ ایک ایسا بورڈ بنایا جائے جس میں خشیت الہی سے معمور قدیم و جدید علماء کی ایک کھیپ ہو، وہ لوگ اور حضرات جو ہمیشہ سے کمیٹیوں اور بورڈوں کے لئے زندہ رہتے ہیں، یہ بورڈ ان سے خالی ہو، پھر یہ بورڈ متانت اور سنجیدگی سے پورے نصاب کا جائزہ لے اور قومی و ملی روایات کو اس میں اس طرح سمو دے کہ پھر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہے ۔

پھر نصاب پڑھانے کا انداز ایسا ہو کہ طلبہ خود بخود اسلامی ذہن کے مالک بنتے جائیں۔

© rasailojaraid.com

اور ان کی سیرت و کردار اس سانچے میں ڈھلتی جائے جو ہماری ضرورت ہے اگر کہیں یہ جملہ آتا ہے کہ "آگ میں جلانے کی صلاحیت ہے" تو اسے یوں ادا کریں کہ "اللہ تعالےٰ نے آگ میں جلانے کی صلاحیت رکھی ہے" تو اندازہ کر لیں کہ کس طرح ربّ العزت کا انداز حاکمیت ذہنوں میں پیوست ہوتا اور اس کے احکم الحاکمین کا شعور اجاگر ہو گا۔ گویا ہمیں اسلامیات پڑھانے کے لئے ہی "صحیح مسلمان" اور غیرت مند ملی درد رکھنے والے اساتذہ کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے مسلمان ڈاکٹر، انجنیئر، سائنس دان، فلسفی اور اہل فن مطلوب ہیں جو ہر مقام پر اپنی صلاحیتوں کو کسی کا عطیہ قرار دیں۔ پرائمری تک کی تعلیم کے لئے مساجد کی سطح پر مکتب اسکیم جاری کی جائے۔ جس میں کم از کم ناظرہ قرآن مجید مع چند سورتوں کے حفظ کے۔ پوری نماز، چھ کلمے اور بنیادی عقائد محفوظ ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ بچہ مروجہ پرائمری کے معیار پر پورا اتر جاتے ہے۔ یہ پانچ سال لازمی تعلیم ہو تا کہ کوئی بچہ بالکل جاہل نہ رہے اگر یہ قبل نصاب تعلیم کے بجائے علمی ذوق پیدا کرنے والا پرائمری نصاب بنا لیا جائے تو یقین ہے کہ آئندہ چل کر یہ پرائمری بچہ مڈل کے بچوں سے زیادہ باصلاحیت ہو گا۔ اس کے بعد میٹرک تک اسلامیات میں قرآن و سنت کے مخصوص حصص، سیرت رسول، سیرت صحابہ اور آثار سلف کا گہرا ادراک طلبہ کو نصیب ہو جانا چاہیئے۔ طلبہ میں اپنے دین کا صحیح شعور پیدا کرنے کی غرض سے عربی زبان کو چھٹی کلاس سے لازمی قرار دیا جائے۔ ہمارا ذاتی خیال یہ ہے کہ مشہور عصری و دینی درسگاہ ندوۃ العلماء کا ابتدائی عربی نصاب اس صلاحیت کا مالک ہے کہ اسے محنت سے پڑھایا جائے تو بچوں میں قرآن فہمی کا ذوق خوب پیدا ہو جائے گا اور یہ بات چھٹی کلاس سے دسویں تک پانچ سال میں مشکل نہیں۔ اس ذریعہ سے پوری نوجوان نسل قرآن حکیم کے فہم کو جذب کر کے ان گنت برائیوں بالخصوص الحاد دہریت اور فرقہ واریت سے محفوظ ہو جائے گی پھر کوئی پیشہ ور واعظ اور فلسفی اسے بہکا نہ سکے گا۔

آرٹس، سائنس اور کامرس وغیرہ کے مضامین کو جس طرح اب اہمیت حاصل ہے اور ان کے لئے باقاعدہ ہائر ایجوکیشن کا نظم ہے اسی طرح اسلامیات کے لیے الگ سے کلیہ ہو اور خالص علمی مضامین میں طلبہ کو ترغیب دیکر لایا جائے اور ان کی حوصلہ

© rasailojaraid.com

فراہم کی جاتے - یہ بچے آئندہ چل کر زیادہ احسن طریق سے خدمت دین کر سکیں گے -

نصاب کے بعد دوسرا اہم عنصر اساتذہ کا ہے جسے تعلیمی میدان میں بڑی اہمیت حاصل ہے - کوئی ذی شعور انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اچھے سے اچھے نظام سے صحیح ثمرات تب ہی سامنے آئیں گے جب اس کے چلانے والے اہل اور موزوں اشخاص ہوں - ہم تعلیم کے معاملہ میں شدت احساس کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن ہم نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی کہ اساتذہ کیسے ہونے چاہئیں، ہمارے ذاتی علم میں ہے کہ بعض مواقع پر اساتذہ کی آسامیاں پر کرنے کے لئے بھی "رشوت و سفارش" کو کام میں لایا جاتا ہے - یہ بات ظاہر ہے کہ زہر قاتل ہے جو شخص رشوت کی سیڑھی عبور کر کے استاذ کے مقام پر پہنچے گا وہ ایک خاص احساس کا شکار رہ کر ساری عمر جلب منفعت ہی کی فکر میں رہے گا جس کی ایک بدترین شکل ہمارے یہاں کا ٹیوشن نظام ہے جو بعض بعض سکولوں میں لازم ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر "ماسٹر جی" سے خارج وقت میں ٹیوشن نہ پڑھو تو برا انجام بھگتو -

روڈ بورڈ والے انسانی جسموں اور جانوں کی حفاظت کے نکتہ نظر سے اچھے، باصلاحیت اور سمجھدار ڈرائیور کو نوکر رکھتے ہیں تو روح کی بالیدگی کا مسئلہ ہے اگر تعلیم ناقص ہوئی تو اس سے روح انسانی قتل ہوگی جو جسمانی قتل سے بدتر جرم ہے -

سب سے اولین ضرورت یہ ہے کہ اس جذبہ کو سامنے رکھا جائے جو علم کا مقصد ہے، اساتذہ قلباً و ذہناً مسلمان ہوں، ان کے عقائد و نظریات غیر مبدل ہوں۔ دنیا کا لالچ انہیں خرید نہ سکے - انہیں ملکی روایات و نظریہ سے گہری وابستگی اور باپ سے بڑھ کر ان میں مروت و شفقت ہو -

مکتب اسکیم کے اساتذہ نوخیز اور نوجوان نہ ہوں بلکہ کم از کم ادھیڑ عمر کے حضرات جن میں لکھنے پڑھنے کا غیر معمولی ملکہ اور صلاحیت ہو اور جو تعلیم کے ساتھ تربیت کے اسلامی اور مشرقی اصولوں کو حرز جاں سمجھتے ہوں - لیکن انہیں معاشی طور پر اس طرح مطمئن رکھا جائے کہ یہ سب جھمیلوں سے الگ ہو کر بس اسی کام کے ہو کر رہ جائیں - ہائی کلاسز اور اس سے اوپر کی کلاسز کے اساتذہ جو اس وقت تعلیمی کام کر رہے ہیں ان سے درخواست کی جائے کہ وہ نظریاتی اور اخلاقی طور پر اپنے آپکو مطلوبہ معیار

© rasailojaraid.com

کے مطابق بنائیں، ضرورت محسوس ہو تو ان کے لئے "تربیتی کورسز" کا اہتمام کیا جائے
کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷۶) آخر ہر محکمہ کے اعلیٰ افسران
گاہ بگاہ مختلف کورسز میں شریک ہوتے ہیں اساتذہ ایسی زحمت کرلیں تو کوئی حرج
نہیں جبکہ ایک اعلیٰ مقصد سامنے ہو۔ اگر کوئی اساتذہ مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اتر سکتا
اور اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ نہیں کر سکتا تو اسے رضاکارانہ طور پر مستعفی ہو کر
کوئی اور لائن اختیار کر لینی چاہیئے۔ اساتذہ درسگاہ اور درسگاہ سے باہر اتنی محتاط اور
پاکیزہ زندگی گذاریں کہ معاشرہ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے، آخر کو جج حضرات کو
دیکھیں کورٹ کے اندر اور باہر انکا کیا حال ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وقار اور متانت انہی کا حصہ ہے،
لیکن ہمارے نزدیک استاد جج سے زیادہ مقدس ہے، ایک جج بھی اُستاذ ہی کی حسن
تعلیم و تربیت سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے، اس لئے اس کا علم ٹھوس، اس کے
اخلاق بلند، اس کا جذبہ جواں اور اس کے عقائد و نظریات اسلامی روایات کے عین مطابق
ہونے ضروری ہیں۔

اس سلسلہ کا تیسرا عنصر طلبہ ہیں جنہیں حقیقی عنصر کہنا چاہیئے۔
اس عنصر کا معاملہ ایسا ہے کہ

ع یہ ننھی کلیاں کیا جانیں — کب کھلنا کب مرجھانا ہیں

اپنی عمر، صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے یہ نفع و نقصان اور خیر و شر میں تمیز
نہیں کر سکتے اس لئے ان پر توجہ کی شدید ضرورت ہے، توجہ میں صحیح نصاب تعلیم اچھے
اساتذہ، بہتر خارجی ماحول اور تعزیرات سبھی کی ضرورت ہے۔
وہ معصوم ذہن میں آپ جو انہیں پڑھائیں گے وہی پڑھکر اس کا اثر لیں گے۔
اس لئے ان کے لئے صحیح نصاب بنیادی شرط ہے اور ان کے لئے سب سے بہتر درسگاہ مسجد
ہے جس کا پاکیزہ، ستھرا اور صاف ماحول ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کا ضامن ہوگا۔ اسی
لئے ہم نے پرائمری تعلیم کو مسجد میں قائم مکتب اسکیم سے وابستہ کرنے کی درخواست کی
تاکہ بچہ پروان چڑھے تو اللہ تعالےٰ کے گھر میں۔
اساتذہ اس کے قلب پر اپنی عظمت کے نقوش ثبت کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اسلئے
اساتذہ کے انتخاب میں اس بات کو مدنظر رکھنا لازم ہے کہ وہ طلبہ پر کس طرح اور

© rasailojaraid.com

کتنے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

خارجی ماحول کی بہتری انکے لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ ۲ ۔ ۴ ۔ ۶ گھنٹہ اگر پاکیزہ علمی فضا میں رہنے کے بعد باقی ۱۸½ گھنٹے وہ ایسے ماحول میں رہے ، جس میں جنسی ناول، فحش لٹریچر، اذہان کو مسموم کرنے والے ریڈیو، ٹی وی پروگرام ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اس تخریب کا اثر زیادہ بڑھے گا۔

ضرورت اس کی ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ فی الحقیقت درسگاہ بن جائے، ہماری لائبریریاں ایسی ہوں جن میں علمی، اخلاقی ذخیرہ ہو، ہمارے ذرائع ابلاغ اور اخبارات ایسے ہوں جو مجسم استاذ کا کام دیں، ہمارا کاروباری طبقہ ایسا ہو کہ اگر کبھی طالب علم اس سے سودا لینے جاتے تو دین و دیانت و امانت کا سبق سیکھ کر آتے، ہمارا بس ڈرائیور اور کنڈکٹر ایسا ہو کہ اس کی بس میں سوار بچہ اس سے شرافت، بھلائی، مقصد سے لگن اور سچی خدمت کا سبق سیکھ کر رخصت ہو، سب سے زیادہ ذمہ داری الدین پر ہے کہ وہ محض اس پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ بچہ درسگاہ جاتا ہے اساتذہ سے پڑھتا ہے وہ خود اسکی نگرانی کریں۔ تعزیر کا معاملہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت تادیب کے نقطۂ نظر سے اسکی گوشمالی سے گریز نہ کیا جائے دس سال کے بچے کی گوشمالی کر کے اسے مسجد میں لے آنے کا نبوی حکم آخر تعزیر ہی تو ہے، بچہ نے گالی دی ماں باپ نے ہنس کر ٹال دیا، اس نے گھر میں سے کوئی چیز چوری کر لی اس سے صرف نظر کر لیا، یہی باتیں مستقبل میں اسکی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں۔

ان کے عقائد و اخلاق کی اصلاح، عبادت کا شوق ان میں پیدا کرنے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے احساس سے واقف کرنے کا شدید اہتمام لازم ہے کوئی چھوٹی بڑی درسگاہ مسجد سے خالی نہ ہو، اور کچھ نہ کچھ وقت کسی بہانے سے طلبہ کا اس معطر ماحول میں گذرے۔

ایک زیادتی اس نسل کے ساتھ مخلوط تعلیم کی ہے جس کا ازالہ جتنا جلد کر دیا جائے بہتر ہے ورنہ اس اختلاط کے نتیجہ میں جو تباہی آ رہی ہے اسکے طوفان کو روکنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی غیر نصابی سرگرمیاں از قسم جماعت سازی، بیرونی جماعتوں سے وابستگی، ان کے مفاد کے لئے جد و جہد یہ سب باتیں زہر قاتل

(بقیہ صفحہ ۸۰ پر)

محمد تقی امینی

(قسط ۱۴)

قرآنی علم و فہم کا درجۂ حکمت

قرآنی علم و فہم میں درجۂ حکمت تک رسائی کے لیے سماج کی طرح کائنات میں بھی فطری نقطۂ نگاہ سے غور و فکر کی ضرورت ہے جس کا تعین کائنات سے متعلق قرآنی آیتوں سے ہوتا ہے۔

انسان کو کائناتی قوتوں کا علم دیا گیا

اوپر گذر چکا ہے کہ انسان میں پوری صفات کے ساتھ کائناتی خصوصیات موجود ہیں اور انسان کو امکانی صلاحیتوں کی مناسبت سے کائنات کی امکانی قوتوں کا علم دیا گیا ہے جس کی نشاندہی خلافتِ آدم کے واقعہ میں ابتداءً کر دی گئی تھی اور ان قوتوں کو استعمال کرنے کی ہدایت و تاکید بھی تھی

وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ [۱] — اور تمہارے لیے زمین میں ایک مدت معیّنہ تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

"متاع" کا لفظ اپنے عمومی مفہوم میں وقت کے لحاظ سے کائناتی قوتوں سے مستفید ہونے کو جامع ہے۔

پھر حسبِ وعدہ ہدایتِ الٰہی آتی رہی اور انسان کو ان قوتوں کو کام میں لانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ کرتی رہی۔

وَکَذٰلِکَ کُلُّ نَبِیٍّ اِسْتَخْلَفَهُمْ فِیْ عِمَارَۃِ الْاَرْضِ وَسِیَاسَۃِ النَّاسِ وَتَکْمِیْلِ نُفُوْسِهِمْ وَتَنْفِیْذِ اَمْرِهٖ فِیْهِمْ [۲] — اسی طرح ہر نبی کو اللہ نے (زمین) کی آبادکاری، لوگوں کی سیاست ان کے نفوس کی تکمیل اور ان میں اپنا حکم نافذ کرنے میں خلیفہ بنایا۔

---

۱ بقرہ آیت ۳۶   ۲ البیضاوی، البقرہ آیت ۳۶

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کائنات کی نقاب کشائی

بلاشبہ آسمانی مدد و رہنمائی (ہدایتِ الٰہی) کا وظیفہ اصلاً انسان ہے۔ لیکن وہ انسان، جو کائنات کا قائد اور اس کی قوتوں کا پاسبان ہے اس لحاظ سے جو ہدایت بھی آئے گی وہ کائنات کی نقاب کشائی سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ ہدایتِ الٰہی ہر دور میں ایک طرف انسان کی نقاب کشائی کرتی رہی اور دوسری طرف کائنات کی بھی نقاب کشائی کرتی رہی۔ دونوں میں فرق یہ رہا کہ انسان کے خدوخال بھی نمایاں کرتی رہی جبکہ کائنات کی صرف نقاب کشائی پر اکتفا ہی کرتی رہی

انسان اور کائنات کے درمیان فرق کی وجہ

فرق کی وجہ غالباً یہ تھی کہ انسان کے خدوخال میں ہزار مزاحمتیں اور رکاوٹیں تھیں۔ شیطان نے اُس کا چہرہ مسخ کر دینے کی قسم کھا رکھی تھی اور ہر ہر موڑ پر سنگِ گراں بن کر حائل تھا۔ اس بنا پر ہدایتِ الٰہی کو انسان کا اصلی خدوخال نمایاں کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ کائنات میں صورتِ حال ایسی نہ تھی اس کے خدوخال نمایاں کرنے کی خود انسان میں زبردست خواہش و طلب موجود تھی۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ موجزن تھا۔ اور ہر اُٹھا ہوا قدم آگے بڑھنے کا پیش خیمہ تھا۔

پھر انسان کی نوع بنوع ضرورتوں، اس کی بے پناہ صلاحیتوں اور کائنات کی بے پناہ امکانی قوتوں کی وجہ سے فطرت خود کانٹ چھانٹ کرتی اور خوب سے خوب تر کو نمایاں کرتی رہتی ہے۔ ایسی حالت میں ہدایت کو خدوخال میں خواہ مخواہ دخل دینے کی ضرورت نہ تھی کہ اس کے بغیر ہی ہدایت کا مقصد حاصل تھا۔

قرآن میں نقاب کشائی کا زیادہ اہتمام ہے

قرآن حکیم ہدایتِ الٰہی کا آخری اور مکمل ایڈیشن ہے۔ اس بناء پر اس میں کائنات کی نقاب کشائی کا زیادہ وسیع پیمانہ پر اہتمام ہے۔ چنانچہ نزولِ قرآن کے بعد ہی انسان نے کائنات کے مختلف گوشوں میں مختلف پہلوؤں سے غور و فکر کیا اور وقت کے دماغی رفتار کے لحاظ سے حکمت (مصالح و منافع کا نیز نظام) کے دفینے برآمد کیے جو بعد میں مختلف

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co